بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جرمنی کے مشہور ڈکٹیٹر اڈولف ہٹلر کی زندگی اور اس کے افکار و نظریات پر یوں تو متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں مگر چند سالوں سے ماہرینِ نفسیات اس امر کے نفسیاتی تجزیے میں منہمک ہیں اور اپنی تحقیقات کے نتائج وقتاً فوقتاً رسائل و جرائد میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک نامور محقق (WALTER LANGER) نے (THE MIND OF ADOLF HITLER) (اڈولف ہٹلر کا ذہن) کے نام سے ایک نہایت ہی دلچسپ کتاب لکھی ہے جس کی دنیا کے علمی حلقوں میں اچھی خاصی پذیرائی ہوئی ہے۔ مصنف کا اس کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ اس نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں اُن خفیہ رپوٹوں سے استفادہ کیا ہے جہاں دوسرے اہل علم کی رسائی ممکن نہ تھی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں ہٹلر کی زندگی کے بعض مستور گوشے بے نقاب ہو کر سامنے آتے ہیں وہاں ایک آمر کے ذہن، اس کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل اور اس کی مجنونانہ حرکات کو سمجھنے میں بھی اچھی خاصی مدد ملتی ہے اور ایک انسان اس کی بظاہر حیرت انگیز انقلابی سرگرمیوں اور اصلاحی کاوشوں کے محرکات اور اُن کے اخلاقی اور جذباتی پس منظر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے ہم ان صفحات میں اس کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کر رہے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک کے باشندے ان غلط رجحانات سے واقف ہوں جو کسی آمرانہ ذہن کے اندر بالعموم پرورش پاتے ہیں اور اس طرح ان خوفناک نتائج سے بھی باخبر ہوں جن سے اندھی بہری آمریت کسی ملک اور قوم کو دوچار کرتی ہے۔ ہم یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جس ہٹلر کو یہاں زیر بحث لایا جا رہا ہے وہ کسی مخصوص شخصیت کا نام نہیں بلکہ اس بیمار ذہنیت کا نام ہے جو المانیہ کے اس آمر کے علاوہ دوسرے بے شمار بگڑے ہوئے لوگوں کے

اندر بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں اور ہٹلر میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ صرف یہ کہ جرمنی کے مخصوص سیاسی حالات اور اس شخص کی بے پناہ قوت ارادی نے آمریت کی ساری ستم رانیوں کو نمایاں کر کے رکھ دیا ورنہ جہاں تک ہٹلر کی غلط ذہنیت کا تعلق ہے وہ تو بے شمار لوگوں کے اندر پائی جاتی ہے۔

کتاب کے فاضل مصنف نے ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے سب سے پہلے ان عوامل کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے جنہوں نے ہٹلر کی ذہنیت کے اندر خوفناک لبگاڑ پیدا کیا۔ علاوہ اور بہت سے اسباب کے وہ ہٹلر کے والد اور والدہ کی باہمی ناچاقی اور والد کی بری عادات کی وجہ سے گھریلو ماحول میں راحت اور سکون کے فقدان کو ہٹلر کی ذہنی علالت کی وجہ قرار دیتا ہے۔ مزید برآں اس کے جسم کے اندر چند نقائص اور ایک آدھ عضو کی کمی کی بنیاد پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ہٹلر کی طبیعت میں تندی و تیزی کا جو پہلو سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ اس کے جسمانی سقم کا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر صرف اس مصنف نے ہی نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ماہرین نفسیات نے بھی اظہارِ خیال کیا ہے اور اس ضمن میں ان کے مابین کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ خود اس کتاب کے آخر میں رابرٹ جی۔ ایل ویٹ نے اس نفسیاتی مطالعے پر جو متوازن تبصرہ کیا ہے اس میں بھی اس نے ان اسباب کی اثر آفرینی پر اچھی خاصی لے دے کی ہے۔ چونکہ بحث کا یہ حصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے ہم اپنی گزارشات اس غلط ذہنیت کے چند خارجی مظاہر تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جو کسی آمر کے طرز عمل میں بالعموم دیکھے جاتے ہیں۔

آمریت درحقیقت کسی انسان کے دل میں خدا بننے کی دبی ہوئی آرزو کا عملی اظہار ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک انسان فطرتاً جس بات کے اہل نہ ہو اور وہ اپنی فطری حدود کو پھلانگ کر ایک ایسی روش اختیار کرنے کی جسارت کرے جو اسے کسی طرح بھی زیب نہ دیتی ہو تو وہ اگر مجنونانہ حرکات نہ کرے گا تو کیا کرے گا۔ آمر بھی چونکہ اپنے اصل مقام یعنی مقام بندگی سے تجاوز کر کے اپنے آپ کو مقام عبودیت پر فائز کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس کے طرز فکر اور طرز عمل دونوں میں اختلال کے علاوہ نہایت ہی بھونڈی قسم کا تصنع بھی پایا جاتا ہے اور اس کی زندگی کی مختلف کیفیات اور سرگرمیاں کسی صحت مند انسان کی نہیں بلکہ دیوانے کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کا اگر آپ مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا محور ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے کہ کسی طرح آمر کی جھوٹی خدائی کو پوری نوع انسانی سے، اور اگر یہ بات ممکن نہ ہو تو پھر کم از کم اپنی قوم اور

اپنے اہل ملک سے تسلیم کروایا جائے۔ اس مذموم مقصد کے لیے آمر سب سے پہلے لوگوں کے ذہنوں میں یہ باطل خیال راسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ منزہ من الخطا ہے اس لیے اس کی ہر رائے سو فیصد درست، اس کا ہر قدم تمامتر صحیح اور اس کا ہر فیصلہ بالکل برحق ہے۔ بالفاظِ دیگر اس کی ذاتِ گرامی منشائے ایزدی کی واحد ترجمان ہے۔ ہٹلر اپنے بارے میں اس قسم کی باتیں اکثر کیا کرتا تھا اور وہ اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو پیغامِ ربانی سے تعبیر کرتا اور اپنے فیصلوں کو احکامِ الٰہی پر محمول کر کے لوگوں کو ان کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا۔ اپنے بارے میں یہ غلط موقف اختیار کرنے کی وجہ سے ہٹلر کے اندر کس درجہ کی بے جا خود اعتمادی اور مطلق العنانیت پیدا ہو چکی تھی اس کا اندازہ ذیل کے ایک اقتباس سے کیا جا سکتا ہے:

> گذشتہ سال کے واقعات سے لے کر آج تک اُسے اپنی غیر معمولی ذہانت، اپنی جبلت یا یوں کہا جا سکتا ہے اپنے ستاروں پر بے پناہ اعتماد پیدا ہو چکا ہے۔ جو لوگ اس کے قریب ہیں وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ اب وہ اپنے آپ کو ایک معصوم اور ناقابلِ تسخیر شخصیت سمجھنے لگا ہے۔ اور اس کے اس اندازِ فکر ہی سے اس کے اس طرزِ عمل کی علت معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر اپنے خلاف معمولی لب کشائی یا اپنی رائے سے ذرہ بھر اختلاف کیونکر گوارا نہیں کر سکتا۔ اس کی کسی بات کی تردید ملک و قوم سے بغاوت کے مترادف ہے اور اس کے منصوبوں پر رائے زنی خواہ وہ کسی زاویہ نگاہ سے بھی کی جائے، بھیانک گناہ ہے۔ ص ۱۳۱

جب کوئی انسان اپنے بارے میں اس نہج پر سوچنے لگے تو وہ لامحالہ ایک ایسی غلط راہ پر چل پڑتا ہے جو بالآخر اسے اور اس کے وابستگان کو بربادی کے مہیب غاروں میں دھکیل دیتی ہے۔ محدود عقل اور محدود صلاحیتیں رکھنے والا آدمی جب خدا بن کر کسی ملک اور قوم کی قسمت سے کھیلنے لگے تو اس سے خیر اور بھلائی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ اگر حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی ہی سے دنیا کے مسائل صحیح انداز سے حل کیے جا سکتے تو انسان کو انبیا کے ذریعے خدا سے ہدایت اور رہنمائی کی قطعاً ضرورت پیش نہ آتی لیکن تاریخ کے طویل تجربات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اس نوعیت کی خود اعتمادی جس کا خمیر تکبر اور اپنی صلاحیتوں کے بارے میں مبالغہ آمیز اندازے الغرض اپنی ذات کی پرستش سے اُٹھایا جاتا ہے وہ کسی شخص کو کامرانی سے ہمکنار نہیں کر سکتی۔ ایک آمر جھوٹ سے اپنے مشن کا آغاز کرتا ہے، مکر و فریب سے اُسے آگے بڑھاتا ہے اور سازشوں کے ذریعے اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کرتے

کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سب سے پہلا جھوٹ تو خدا کے بارے میں بولتا ہے کہ اس عظیم ہستی نے اُسے ایک غلط کام پر مامور کیا ہے۔ ہٹلر کا مشن اس باطل تصور کے علاوہ اور کیا تھا کہ دنیا میں تفوق اور برتری کا حق صرف اس نسل کو حاصل ہے جس سے جرمن کے اصل باشندے تعلق رکھتے ہیں یا زیادہ صحیح الفاظ میں جس کا خون خود اس آمر کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ کیا کوئی سلیم الفطرت انسان ایک ثانیہ کے لیے بھی یہ باور کر سکتا ہے کہ خالق کائنات جو پوری بنی نوع انسان کا واحد مالک اور رازق ہے وہ ایک مخصوص نسل کے بارے میں جانبدار ہو سکتا ہے۔ ہٹلر کا غیر مسئول اقتدار چونکہ اس باطل نظریے سے سراسر وابستہ تھا اس لیے وہ اس زہر کو ہر قیمت پر اہل جرمن کے دل و دماغ میں پھیلانے پر تلا ہوا تھا۔ اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے کوئی معقول راستہ تو نہ تھا اس لیے غلط طرز فکر اور غلط طرز استدلال اور منفی جذبات کے ذریعے جرمن عوام کے دلوں میں دوسری نسلوں اور قوموں کے خلاف نفرت و حقارت کے بیج بو کر اپنی نسل کی برتری اور اس کے اس "محسن" کی غیر معمولی عظمت کا نقش ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ ہٹلر کا یہ غلط موقف اسی صورت میں صحیح ثابت ہو سکتا تھا جب یہ فرض کر لیا جاتا کہ صرف وہی اور اس کے ہم خیال لوگ صحیح اور برحق ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے سے گریز کرنے والے غلط کار، بد باطن اور ملک و قوم کے دشمن ہیں۔ جذبات کے ہجوم میں جب لوگوں کے اذہان مفلوج ہوں تو وہ دشمن سے لڑنے بھڑنے کے لیے اس شخص پر مکمل بھروسہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو انہیں عقل کی بات سمجھانے کے بجائے اپنی چرب زبانی اور لاف گزاف کے ذریعہ ان کے جذبات کو بھڑکانے میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور قوم کو تعمیر و ترقی کے راستے پر گامزن کرنے کے بجائے اس کی کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھا کر انہیں اپنی غلامی میں گرفتار رکھنے کے سارے ڈھنگ جانتا ہو۔ کسی قوم کا حقیقی مصلح اور بہی خواہ اس کی نبضوں پر اس لیے ہاتھ رکھتا ہے کہ وہ اس روگ کا پتہ لگائے جو اسے اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا ہے اور پھر اسے دُور کرنے کی فکر کرے۔ ظاہر بات ہے کہ اس تعمیری انداز پر سوچنے والے قائدین کسی قوم کے بگڑے ہوئے ذوق کی تسکین کا سامان تو فراہم نہیں کر سکتے بلکہ انہیں ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کسی طرح قوم کے بگڑے ہوئے ذوق کو درست کیا جائے اور اسے جو اخلاقی عوارض لاحق ہیں ان سے اسے نجات دلائی جائے۔ اس لیے وہ دوا اور پرہیز کے علاوہ اُن ساری تدابیر کو سامنے رکھتے ہیں جن سے بیماری بڑھنے کے بجائے کم ہو اور اخلاقی اور ذہنی امراض کی شکار قوم جلد از جلد شفایاب ہو سکے۔

کسی قوم کے ان مخلص معالجین کے برعکس اس کی گردنوں پر ہمیشہ مسلط رہنے کی ناپاک آرزو رکھنے والے

آمر بھی قوم کی نبضوں پر فنی مہارت کے ساتھ ہاتھ رکھتے ہیں اور اس کے دل کی دھڑکنوں کو غیر معمولی توجہ سے سُنتے ہیں مگر ان کا مقصد یکسر مذموم ہوتا ہے۔ وہ کسی قوم کے عوارض کی اس غرض سے تشخیص نہیں کرتے کہ انھیں دُور کرنے کی فکر کی جائے بلکہ وہ ان کا کھوج اس لیے لگاتے ہیں کہ ان عوارض نے قوم کے اعضاء و جوارح میں جو بگاڑ پیدا کر رکھا ہے اس سے خوب فائدہ اُٹھا کر اُن میں مزید فساد پیدا کیا جائے تاکہ قوم بالکل مضمحل ہو کر رہ جائے اور اس کے اندر ظلم و استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے کی قطعاً کوئی سکت باقی نہ رہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے مصنف نے بڑی دیدہ وری سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور جس چیز کو عام لوگ ہٹلر کی طلاقت لسانی سے تعبیر کر کے اسے خراج تحسین پیش کرتے ہیں اس نے اسے فنکارانہ عیاری پر محمول کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہٹلر مختلف اجتماعات کو اس لیے خطاب نہیں کیا کرتا تھا کہ وہ ان کے سامنے کوئی تعمیری پروگرام پیش کرے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ عوام کے رجحانات کا جائزہ لگا کر یہ دیکھے کہ انھیں کن حربوں سے بہکا کر کامیابی کے ساتھ اپنے پیچھے لگایا جا سکتا ہے۔ اسے ان جلسوں میں شریک ہونے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ پہلی جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد جرمن قوم کے ہاتھ سے فہم و تدبر کا دامن چھوٹ گیا ہے اور وہ اپنے آپ کو جذبات کی شعلہ فشانیوں میں جلانے پر مصر ہے۔ اس موقع پر اگر اس قوم کا کوئی حقیقی بہی خواہ سامنے آتا تو وہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اس کی رہنمائی کرتا کہ یہ صورت حال صرف اہل جرمن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ دنیا کی ہر حوصلہ مند قوم جب شکست کھاتی ہے تو وہ لازمی طور پر کچھ دیر کے لیے جذباتی بن جاتی ہے اور شکست کو فتح سے بدلنے کے لیے بعض ناقابلِ عمل تدابیر اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے اندر بالکل فطری طور پر اپنے دشمنوں کے خلاف شدید تلخی پائی جاتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ اپنے دوستوں سے بھی اس لیے خفا ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اس کی توقعات کے مطابق آڑے وقت پر اس کی دستگیری نہیں کی۔ اس جذباتی فضا میں جو شخص بھی دشمن کو گالیاں دینے میں جس قدر جری اور بیباک ہو گا اور اپنے بعض حلیفوں کے بارے میں سوءظن پیدا کرنے میں طاق ہو گا، قوم اس پر جان نثار کرنے پر تیار ہو گی اور اس کے مقابلے میں جو فرد یا گروہ اسے عقل کی بات سمجھائے گا اور اس کے اندر اپنے اور غیروں کے خلاف نفرت کے شدید جذبات برانگیختہ کرنے کے بجائے اسے اپنی خامیوں اور کمزوریوں پر غور کر کے انھیں دُور کرنے کی تلقین کرے گا قوم اسے اپنا سب سے بڑا دشمن خیال کرے گی۔

ہٹلر نے اپنی خدائی کا سکہ چلانے کی غرض سے مثبت اور تعمیری اندازِ فکر اختیار کرنے کے بجائے تخریب کی راہ اختیار کی اور اس کے جذبات کے اندر اعتدال پیدا کرکے اور اس کی فکری قوتوں کو بروئے کار لانے کے بجائے اُس کے جذبات کے اندر مزید حدت پیدا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہوگئی اور ہٹلر کو اپنی کبریائی تسلیم کروانے میں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

اگر ایک شخص افیون کھانے کا عادی ہے تو اس کے بارے میں دقت تو اس کے اس غمگسار کو پیش آتی ہے جو اُسے اس بُری عادت سے نجات دلانے کا آرزومند ہے۔ اس مریض کا حقیقی خیر خواہ تو اس کی جلی کٹی بھی سُنے گا، اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بھی بنے گا مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے گا کہ کسی طرح یہ بدنصیب شخص چنیا بیگم کے اثر سے آزاد ہو جائے اور اپنی اس کوشش میں اس کا وہی حشر ہوگا جو دریا کے بہاؤ کے مخالف تیرنے والے کا ہوتا ہے۔ لیکن اس شخص کے سارے بدخواہ برابر اس تاک میں رہیں گے کہ کسی طرح یہ آفت زدہ شخص اس لت سے چھٹکارا نہ پاسکے بلکہ افیون سے گزر کر شراب کا رسیا ہو تاکہ عقل و فہم کے مفلوج ہونے کے علاوہ اس کے حواس بھی مختل ہو جائیں اور وہ ایک زندہ لاش کی حیثیت سے ان کے سامنے بالکل بے بس ہوکر اپنی حیاتِ مستعار کی چند گھڑیاں گذارنے پر مجبور ہو۔

کسی آمر کے لیے قوم کی جو چیز سب سے بڑی وجہ اضطراب بنتی ہے وہ اس کی فکری بیداری ہے اور اس کے جس طرزِ عمل سے وہ مسرور اور دلشاد ہوتا ہے وہ اس کی سطحی جذباتیت ہے اگر قوم ذہنی اعتبار سے چاق چوبند ہو اور وہ ملکی معاملات کی صحیح سمجھ بوجھ رکھتی ہو تو پھر کسی شخص کو تختِ اقتدار پر متمکن ہونے اور متمکن رہنے کے لیے خلوص اور فہم و تدبر کی وافر مقدار کے علاوہ تحمل، بردباری، حق و صداقت سے گہری محبت، تعمیری ذہن اور مضبوط قوتِ ارادی کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے اور جس فرد میں یہ صفات مفقود ہوں مگر وہ اقتدار کا بھی حریص ہو تو اسے اپنے مقصد کے حصول کے لیے قوم پر دیوانگی کا عالم طاری کرنا پڑتا ہے اور اس کا راستہ ایک ہی ہے کہ ایک طرف تو قوم کو ٹھوس حقائق کی دنیا سے نکال کر خواب و خیال، جھوٹی آرزوؤں اور خام تمناؤں کی دنیا میں آباد کیا جائے اور دوسری طرف اس کے جذبات میں اس قسم کے خوفناک طوفان اُٹھائے جائیں جن میں اُن کی عقل بالکل ناکارہ ہوکر رہ جائے یا اس کے اندر اس کی کوئی احتیاج باقی نہ رہے۔

آمر اس مقصد کے حصول کے لیے کئی ایک حربے اختیار کرتا ہے جن میں بعض کی اثر آفرینی مسلّم ہے۔

ان حربوں میں سب سے پہلا حربہ یہ ہے کہ ہر آمر زبان کے استعمال کے معاملے میں بالکل مطلق العنان ہوتا ہے۔ وہ تقریر کرتے ہوئے یا عہد و پیمان باندھتے ہوتے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں کرتا کہ جو الفاظ وہ زبان سے ادا کر رہا ہے اس کی نظر میں ان کی کوئی معنویت بھی ہے۔ وہ مجمع بازوں کی طرح ہر مجمع کی نفسیات دیکھ کر لوگوں کے جذبات سے کھیلتا ہے اگر مزدوروں کا مجمع ہے تو وہ ان کا خیر خواہ بن کر بڑی بے تکلفی کے ساتھ سرمایہ داروں کو گالیاں دیتا ہے اور اگر سرمایہ داروں کے کسی جلسے میں اسے اظہار خیال کا موقع میسر آیا ہو اور وہ مزدوروں کی روش سے نالاں نظر آتے ہیں تو مزدوروں کو بے نقط سنا کر زرداروں کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اگر کسی اجتماع پہ مذہبیت کا رنگ غالب دیکھتا ہے تو وہاں مذہب اور دین کا پرستار بن کر سامعین کو متاثر کرتا ہے اور جہاں رندانِ بادہ خوار جمع ہوں وہاں اپنی رندی اور ہوسناکی کی داستانیں سنا کر ان پر اپنی برتری ثابت کرتا ہے۔ اگر عوام کے دلوں میں کسی قوم کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی ہو تو وہ ایک جنگجو کے انداز میں جنگ و جدال کی باتیں کرتا ہے اور اگر اس پر افسردگی کا عالم طاری ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی مجبوریاں اور ہولناکیوں کا تذکرہ کر کے اسے یاس و قنوطیت کے حوالے کر دیتا ہے۔ آمر کا کوئی لگا بندھا اصول یا نظریہ نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ حاکم مطلق بن کر اس پر تاحیات فرمانروائی کرتا ہے۔

آمر کا دوسرا موثر حربہ یہ ہے کہ وہ ہر ایسا کام کرتا ہے جس میں اس کی شخصیت کی بے جا نمائش ہو سکے۔ وہ ملک کے ذرائع ابلاغ کو اپنی ذات کے بارے میں مبالغہ آمیز تاثرات قائم کرنے کے لیے بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ اس مقصد کی خاطر ملک اور بیرون ملک سے ان بے ضمیر لوگوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جو فنکارانہ مہارت کے ساتھ آمر کی شخصیت کے اندر مصنوعی دلکشی اور دلفریبی پیدا کر سکیں اور اس کے کارناموں کو عوام کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہوں۔ چنانچہ آمر کے سیاسی افق پر ابھرنے کے ساتھ ملک کے اندر یہ تاثر قائم ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ قوم کو خوش قسمتی سے ایک ایسے رہنما کی قیادت میسر آگئی ہے جو باپ سے زیادہ شفیق اور ہمدرد، راہب سے زیادہ بے نفس اور بے لوث، قانونِ قدرت سے زیادہ عادل اور فولاد سے زیادہ مضبوط عزم اور ارادے کا انسان ہے اور جس کی غلامی میں بالکل معجزانہ طور پہ قوم کے سارے دکھوں کا مداوا ہو سکے گا۔ یہ تاثر مسلسل پھیلتا چلا جاتا ہے مگر قوم کے مصائب میں قطعاً کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ ان میں خوفناک حد تک اضافہ ہو جاتا ہے

(باقی بر صفحہ ۴۶)